المساعي المشكورة
فی
الدعاء بعد المكتوبة

از

مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی چمپارنی

باهتمام

مولانا محمد فضیل بن مولانا محمد غالب حسین جونْپوری

ناشر

مرکز طالب العلوم

ملا ٹولہ جونپور (الهند)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اس قسم کے رسالے کی تالیف و تصنیف کا سلسلہ ایک زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے جن میں مسئلہ واحد کی تحقیق و توضیح اس طور پر کی گئی ہو کہ اس مسئلہ کا مالہٗ و ماعلیہ اور اس کے جملہ متعلقات کا مواد ایک مرتب انداز اور حسین شکل میں جمع ہو جائے، اور اس کا ثبوت عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین و عہد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارکہ کے ان زرین احکامات سے ہوتا ہے جن میں کسی خاص مسئلہ کو بالتفصیل قلمبند فرما کر عاملین کے پاس ارسال کیا گیا، اور بعد کے محبین مخلصین نے اسے اپنا لائحہ عمل بنایا چنانچہ جب نظر تتبع ڈالی جاتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی "کتاب الصدقہ" جو آپ نے عاملین کے پاس ارسال فرمانے کیلئے حیات مبارکہ کے آخری لمعات میں قلمبند کروائی تھی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رسالہ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین روانہ کرتے وقت تحریر فرما کر عنایت کی تھی امر مذکور کی بین شاہد ہے۔ صحابۂ کرام و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پرسکون زمانۂ مبارکہ کے بعد۔ انقلابات پیدا ہونے شروع ہوئے۔ جس کی وجہ سے نئے نئے حالات و خیالات، و افکار،

کارونما ہونا امر بدیہی تھا۔ جس کی وجہ سے ایسے رسائل کی احتیاج وضرورت میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔ جس کے ذریعہ صحیح اور فاسد میں امتیاز کرایا جاسکے۔

اور بفضلہ تعالیٰ اس ضرورتِ شدیدہ کو پورا کرنے کے لیئے ہر دور میں ایسے علماء واکابر، اتقیاء وافاضل کمربستہ رہے۔ اور امت کے سفینہ کو ظلمت وگمراہی کے تلاطم سے بچاکر نور وہدایت کے ساحل کے ہمکنار کیا غرضکہ اس طرح متعدد ومختلف مسائل فقہیہ پر ہر زمانہ میں بے شمار رسائل لکھے گئے، اور اس کے نافعیت وافادیت کو محسوس کرتے ہوئے ایسے رسائل کے متعدد مجموعے شائع بھی کئے گئے جیساکہ رسائل حضرت مولانا عبدالحئی علیہ الرحمہ۔ رسائل حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ۔ رسائل مفتی شفیع احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ رسائل ابن عابدینؒ۔ رسائل ابن نجیمؒ وغیر ذالک اسی سلسلۃ الذہب کی کڑیاں ہیں۔ اس انداز کے رسالے اس اعتبار سے انتہائی گراں قدر، قابل اعتنار، وجاذب نظر، ومفید ہوتے ہیں کہ ان میں مؤلف ومرتب ذہنی یکجہتی ویکسوئی کیساتھ صرف ایک مسئلہ کو مطمح نظر رکھکر اپنی تحقیق وگل افشانیوں کا محور بناتا ہے اور حتی المقدور ان تمام کتابوں کو زیر نظر رکھتا ہے جن میں مسئلہ مبحوثہ عنہا کے متعلق مواد ملنے کا ادنیٰ احتمال بھی نظر آتا ہے، پھر مرتب اپنی کاوشِ پیہم، وسعی مکمل، اور پوری تحقیقی صلاحیت، اور نظر وفکر، وکسب واکتساب کے تمام اسالیب بروئے کار لاکر اپنی کاوش کا نچوڑ مختصر رسالہ میں جمع کردیتا ہے۔ اس پرفتن دور میں جبکہ ہر طرف سے مسلمان قسم قسم کی پریشانیوں میں مبتلا ہے، نئے نئے فرقوں کا وجود آئے دن

ہوتا رہتا ہے، جس سے نئے نئے مسائل جنم لیکر پیچیدگی کا سبب بن جاتے ہیں، اور ان نئے نئے مسائل سے عوام کش مکش میں مبتلا ہوکر بعض اسے ترک کر بیٹھتے ہیں، اور بعض اختلاف و نزاع کی صورت پیدا کر دیتے ہیں، اور بعض علمار کے وقار کو یہ کہہ کر مجروح کرنے لگتے ہیں کہ ان کا کام ہی یہی ہے کوئی بدعت کہتا ہے، کوئی مستحب کہتا ہے کس کو مانیں چنانچہ اس دور کے ایک عالم مفتی فیض اللہ صاحب بنگلہ دیشی نے ایک رسالہ شائع کیا جس کے اندر فرائض کے بعد امام و مقتدی کے اجتماعی دعار کو بدعت سیئہ ثابت کر کے عوام میں اختلاف وکشیدگی کی ایک نئی شکل پیدا کر دی ہے اور ایک عجیب کش مکش کے اندر عوام کو مبتلا کر دیا ہے چنانچہ اس کے متعلق ایک استفتار مدرسہ ہٰذا کے دار الافتار میں آیا راقم السطور نے بنظر غائر ان کے مستدلات دیکھے پڑھے اور حوالوں کا بھی تجزیہ کیا مگر کہیں سے بھی مفتی صاحب موصوف کی تائید نہیں ہوسکی برخلاف اس کے استحباب کا ثبوت ملا۔ بہر حال اس کا جواب اپنی بضاعت کے مطابق لکھا جو کہ کافی طویل ہوگیا جس کے اندر اکثر و بیشتر مفتی صاحب کی غلطیوں اور تسامحات کو قلمبند کیا گیا ہے جس کے ضمن میں مسئلہ مبحوثہ عنہا کا اثباتی پہلو بھی بقدر کفایت آگیا ہے میں اس سلسلہ میں اپنے محسن وکرم فرما حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب دامت برکاتہم ناظم مدرسہ ہٰذا مجاز حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ اور برکتہ العصر بقیتہ السلف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دوام اللہ ظلالہٗ مہاجر مدنی۔ و حضرت مولانا مفتی محمد حنیف صاحب صدر مدرس مدرسہ ہٰذا کا مشکور

ہوں کہ ان حضرات نے اس کی تصدیق وتائید فرمائی اور راقم الحروف کے چند سطور کوجامۂ قبولیت پہنایا اور افادہ عام کی خاطر اس کی اشاعت کا حکم فرمایا چنانچہ سوال و جواب مع تصدیق وتصویب بغیر عنادین کی ترتیب کے جو نکاتوں شائع ہو رہا ہے امید کہ یہ چند سطور عوام کو نزاع وکشیدگی اور اختلاف کی خلیج سے نکالنے کا ذریعہ ثابت ہوگی اور صحیح راہ کے تعین میں تردد باقی نہ رہے گا بس دعا رہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ اور نجات اخروی کا ذریعہ بنائے۔

فقط

یلوح الخط فی القرطاس دھراً
وکاتبہ رمیم فی التراب

العبد حبیب اللہ غفرلہ القاسمی

خادم دارالافتاء مدرسہ ریاض العلوم
گورینی چوکیہ۔ جون پور
۱۲ر صفر ۱۴۰۱ھ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ و تصدیق

بقلم حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب دامت برکاتہم مجاز حضرت
مولانا الشاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ و برکتہ العصر
بقیۃ السلف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ادام اللہ ظلالہٗ
مہاجر مدنی، ناظم مدرسہ ریاض العلوم گورینی چوکیہ ضلع جونپور

حامداً و مصلیاً و مسلماً اما بعد

عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قیل یارسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الآخر ودبر الصلوٰۃ المکتوبات رواہ الترمذی کذا فی المشکوٰۃ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

سے عرض کیا گیا کس وقت کی دعاء اقرب الی الاجابہ ہے ارشاد فرمایا آخر شب کے وسط میں اور فرض نمازوں کے بعد۔

اس حدیث پاک میں اجابت دعاء کا دو وقت خصوصی بتلایا گیا ہے اول نصف شب کے بعد دوسرے نماز فرض کے بعد۔ پہلا وقت اجابت یعنی جوفِ لیل آخر اس کے برکات و فضائل کو کیا کہیئے باوجود اس کے کہ نفس پر شب بیداری شاق ہوتی ہے اس لئے عامۃ الناس کو یہ میسر نہیں ہوتی، خواص امت ہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں البتہ دوسرا وقت اجابت یعنی بعد صلوۃ مکتوبہ اس سے تمام امت سلف سے خلف تک برابر بہرہ ور ہوتی رہی ہے، اور بلا نکیر اس وقت دعاء کرنا امت کا معمول رہا ہے، مگر اس دور میں جہاں امت کے سامنے بہت سے پریشان کن مسائل آرہے ہیں اس وقت کی دعا کا مسئلہ بھی ایک مسئلہ مختلف فیہا بن گیا۔ فیا للعجب۔

معلوم ہوا ہے کہ بنگال میں کسی مفتی صاحب نے فرضوں کے بعد دعاء کرنے کو بدعت سیئہ کہکر عام مسلمانوں میں ایک اختلاف کی نئی شکل پیدا کردی ہے اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیں حضرت مولانا ثمر احمد صاحب جونپوری مدظلہ کو کہ انھوں نے اس سلسلہ میں استفتاء کرکے بروقت امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی فرمائی حضرت مولانا ثمر احمد صاحب زادمجدہ اس خاندان کے ایک لائق اور بابرکت فرزند ہیں جن کے جدامجد حضرت مولانا کرامت علی شاہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ ہادی بنگال کے لقب سے معروف ومشہور ہیں۔ ماشاء اللہ یہ خاندان ابھی تک رشد وہدایت اور علم وعمل کا گنجینہ ہے۔

الغرض مولانا نے وہ استفتاء اپنے بھتیجے مولوی جاوید سلمہ کے ذریعہ جو مدرسہ ریاض العلوم میں اس وقت متعلم ہیں ہمارے دارالافتاء میں بھیج دیا۔ نائب مفتی مولانا حبیب اللہ صاحب سلمہ چمپارنی نے پوری تفصیل اور بسط کیساتھ اس کا جواب لکھا اور مولانا محمد حنیف صاحب صدر مفتی و صدر مدرس مدرسہ ریاض العلوم کی موجودگی میں اس ناکارہ کو حرف بحرف سنایا۔ الحمد للہ مسئلہ دعا بعد از فرائض آج تک امت مسلمہ میں جاری ہے اس کا مندوب و مستحسن ہونا روایات مرفوعہ، تعامل امت، اقوال فقہاء سے خوب واضح ہوگیا۔

فللہ در المجیب حیث اجاد فیما اجاب

وانا الراجی رحمۃ ربی الکریم عبدہٗ

عبد الحلیم عفی عنہ

۱۶ / صفر المظفر سنہ ۱۴۰۱ھ



الاستفتاء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ملک بنگال کے مفتی فیض اللہ صاحب نے "فتویٰ مناجات بعد صلوۃ" نام کی ایک کتاب چھپوائی ہے۔ از اول تا آخر انھوں نے بعد نماز مناجات میں ہاتھ اٹھانے کو بدعت سیئہ ثابت کیا ہے۔ کہتے ہیں فرائض نماز کے بعد یا تنہا فرض ہو یا نفل وتر ہو یا تراویح ختم۔ نماز کے بعد امام دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے اور مقتدی بھی تبعاً للامام ہاتھ اٹھاتے ہیں اور آمین آمین کہتے ایسا یہ بدعت سیئہ ہے کسی بھی حدیث سے مرفوع ہو یا موقوف حتی کہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع حدیث سے بھی اس بارہ میں کہیں بھی ثبوت نہیں ہے۔ نہ نبی علیہ السلام نے ہاتھ اٹھایا نہ صحابہ نے نہ تابعین نہ تبع تابعین نے نہ زمانہ سلف صالحین ائمہ مجتہدین میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے نہ فقہ کی کتابوں میں اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ ہاں ادعیہ ماثورہ مثلاً اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وغیرہ کا پڑھنا ثابت ہے۔ مگر صرف انفرادی حیثیت سے ہے۔ لہٰذا دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا غلو فی الدین اور شرعی حد سے تجاوز ہے۔ لہٰذا سب کو چاہیے کہ فرداً فرداً بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے ان دعاؤں کے پڑھنے پر اکتفا کریں۔

ہاتھ اٹھانا عبث اور بے اصل ہے۔ بعض فقہا نے بغیر کسی دلیل نقلی کے محض قیاس اور استنباط سے ایسی دعا کو مستحب بتایا ہے کوئی حدیث قولی یا فعلی اپنے استدلال پر نہیں دیا ہے۔ حدیث میں جو دبر الصلوۃ کا لفظ آتا ہے اس کا مطلب اخر الصلوۃ ہے۔ جیسے دبر اللیل کے معنی آخر اللیل کے آتے ہیں۔ صحابہ کرام نے نبی علیہ السّلام کے جزو جزو حالات نقل فرمائے ہیں مگر کسی صحابہ سے ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی کہ نبی علیہ السلام نے بعد فرائض صلوٰۃ کبھی کبھی بھی ہاتھ اٹھایا ہو لہذا مناجات مروجہ قرون متاخرہ کا تعامل تو ہوسکتا ہے مگر قرون ثلٰثہ کا تعامل ہرگز نہیں ہوسکتا لہذا اس دور کے علماء اگر دعا میں ہاتھ اٹھاتے ہیں تو یہ ان کا اپنا ذاتی فعل ہے جو کہ سند نہیں ہے۔ تعامل سلف حجت ہے تعامل خلف حجت نہیں ہے۔

نورالایضاح اور مراقی الفلاح میں جو اس کو مندوب کہا ہے اس کی نہ تو کوئی سند ہے نہ دلیل نہ کسی مجتہد سے منقول۔ محض ان کی ایک رائے ہے جو قابل عمل سند نہیں ہے۔ امام تیمیہ اس بارہ میں فرماتے ہیں دعاء الامام والماموین جمیعا عقیب الصلوۃ فھو بدعۃ لم یکن علی عھدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (فتاوی ابن تیمیہ صـــ ۱۸۴ ج ۱ـ

نیز مولانا خلیل احمد صاحب بذل المجہود صـــ ۱۳۸ جلد ۳ میں کہتے ہیں واما مایفعلہ بعض الامام من رفع الیدین فی الدعاء عند دعاء جماعۃ من ائمۃ الشافعیۃ والحنفیۃ بعد الصلوۃ فلا وجہ لہ۔ نیز مولانا انور شاہ

کاشمیری "فیض الباری" ص۱۶۷ج ۲ میں لکھتے ہیں۔ واعلم ان الادعیۃ بھذہ الهیئۃ الکذائیۃ لم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یثبت عنہ رفع الایدی دبر الصلوٰۃ فی الدعوات۔ نیز مولانا محمد یوسف بنوری نے جامع ترمذی کی شرح معارف السنن صفحہ ۴۰۹ جلد ۳ میں فرماتے ہیں "بہت شہروں میں یہ بات رائج ہے کہ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور سے دعا مانگتے ہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کبھی کبھار کیلئے بھی ایسی دعا کا ثبوت نہیں ہے۔ چہ جائیکہ ہمیشہ ایسا کرنا۔ ہاں البتہ فرائض کے بعد تواتر کے ساتھ بہت سی دعائیں ثابت ہیں۔ مگر وہاں نہ ہاتھ اٹھانا ہے نہ ہیئۃ اجتماعیہ۔ لاہور کے مشہور عالم علامہ ابو القاسم رفیق دلاوری اپنی کتاب عماد الدین ص۳۹۷ پر لکھتے ہیں "الغرض فرض نماز کے سلام کے بعد امام اور اس کے مقتدیوں کا مل کر دعا مانگنا بدعت سیئہ ہے۔ مولانا عبد الحیٔ صاحب فرنگی محلی اپنے مجموعہ فتاویٰ ص۱۶۱ جلد اول میں لکھتے ہیں یہ طریقہ جو فی زماننا مروجہ ہے کہ امام بعد سلام رفع یدین کے ساتھ دعا مانگتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں یہ نبی علیہ السلام کے زمانہ میں نہ تھا"۔ یہ سب دلائل اور علماء امت کے اقوال کو نقل کر کے مولانا فیض اللہ نے ملک میں انتشار کی صورت پیدا کر دی ہے۔ امت مسلمہ گروہ در گروہ ہو گئے۔ اختلاف کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی ہے۔ لہذا سوال یہ ہے کہ اکابر امت عامۃ المسلمین نیز علماء حرمین شریفین اجتماعی حیثیت سے بعد فرائض نماز ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں اور عام طریقہ سے مساجد کے ائمہ بھی کر رہے ہیں گویا اجماع

امت کی سی کیفیت اور حالت پائی جاتی ہے تو نادرست، مکروہ اور بدعت سیئہ ہے؟ جیسا کہ مولانا فیض اللہ کا قول نقل کیا گیا۔ یا درست ہے جیسا کہ علماء امت کا عمل ہے۔ مولانا تھانویؒ نے تو اس خاص مسئلہ پر ایک رسالہ "استحباب الدعوات" کی تالیف فرمائی ہے۔ امید کہ بغور یہ سوال ملاحظہ فرماکر تفصیل سے آگاہ فرمائیں گے تاکہ رفع شر ہو سکے نیز ہم لوگ اتبعوا سواد الاعظم اور لا تجتمع امتی علی الضلالۃ اور تعامل حرمین شریفین نیز مثل اجماع امت ہونے کی وجہ سے ہم سب عمل کرتے رہیں یا مولانا موصوف کے قول کے مطابق دعا میں ہاتھ اٹھانے کو ترک کردیں؟

احقر الناس ثمر احمد غفرلہ
محلہ ملاٹولہ شہر جونپور
(یوپی)



باسمہٖ تعالیٰ

حامداً و مصلیاً و مسلماً

الجواب

مکرمی! زید کرمکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ کا طویل استفتار بسلسلہ مناجات بعد صلوٰۃ مکتوب مفتی فیض اللہ صاحب مشتمل بر چند اقتباسات موصول ہوا، اسی کے ہمراہ ایک رسالہ بعنوان دفع الھفوات برفع الایدی فی الدعوات مولفہ ظفر احمد صاحب صدیقی ملا ٹولہ جونپور بھی نظر سے گذرا استفتاً پڑھنے کے بعد مذکورہ رسالہ کے چیدہ چیدہ چند مضامین بھی بنظر عائر دیکھنے میں آئے، ماشاء اللہ کتاب اپنے موضوع کے اوپر کافی اور وافی ہے، اور اپنے اندر جامعیت رکھتی ہے، (اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے) اب مزید کچھ تحریر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ چند غلطیاں و تسامحات میں ذکر کرتا ہوں جو کہ مفتی فیض اللہ صاحب نے نقل عبارت میں کی ہیں، جس کے تذکرہ سے آپ کے عناوین ساکت ہیں۔ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ مفتی صاحب موصوف جوشِ خامہ فرسائی میں الفاظ کے توازن کو بھی بھول گئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ موصوف نے قصداً ایسا کیا ہوگا، بہرحال حسن ظن باقی رکھتے ہوئے ہم یہی کہیں گے

کہ موصوف بھول گئے ہوں گے۔ چونکہ موصوف نے لکھا ہے کہ۔

(۱) (فرائض نماز کے بعد یا تنہا فرض ہو یا نفل وتر ہو یا تراویح ختم نماز کے بعد امام دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتا ہے اور مقتدی بھی تبعاً للامام ہاتھ اٹھاتے ہیں اور آمین آمین کہتے ہیں یہ بدعت سیئہ ہے)

حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ بدعت کی تعریف اس پر قطعاً صادق نہیں آتی۔ نیز سیئہ کیساتھ اس کو متصف کرنا یہ جرأت ہماری فہم سے بالاتر ہے۔ کتب حدیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ثبوت موجود ہے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ میں اسود بن عامر کی روایت موجود ہے۔ قال صلیتُ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما سلّم انحرف ورفع یدایہ ودعاء الحدیث والاسود ھذا ابن عبد اللہ ابن حاجب بن عامر من رجال ابی داؤد۔ وذکرہٗ ابن حبان فی الثقات۔ وقال الذھبی محلہ الصدق کما فی التھذیب۔ معارف السنن ص ۱۲۳ ج ۳ رجالہ ثقات ۔ یہ روایت معارف السنن ومجموعۃ فتاوی مولانا عبد الحیٔ علیہ الرحمہ میں بھی موجود ہے۔

اس سے فرض نماز کے بعد اجتماعی طور پر دعا کا ثبوت ملتا ہے۔ اگرچہ اس روایت کے اندر اس کا ذکر نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ہاتھ اٹھایا یا نہیں۔ لیکن قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ صحابہ کرام نے بھی ضرور ہاتھ اٹھا کر دعا میں شرکت کی ہوگی چونکہ صحابہ کرام کا جو حرص علی اتباع اقوال النبی وافعالہ

دا عمالہ تھا جیسا کہ صحابہ کرام کے حالات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے وہ ابار کرتا ہے اس بات سے کہ آنحضورؐ تو دعار ہاتھ اٹھا کر فرمارہے ہوں اور تمام صحابہ ہاتھ چھوڑے بیٹھے ہوں۔ اس روایت سے فرائض کے بعد اجتماعی طور پر دعار کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ پھر اس کو بدعت کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب بدعت ہی کہنا درست ثابت نہیں ہوا تو پھر سیئہ کیساتھ اتصاف یہ خطار بر خطار ہے۔ اور یہ بھی آپ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ مستحب پر مداومت بدعت ہے چونکہ کہیں بھی اس کی تصریح نہیں ہے جبکہ اس کے فرض دواجب ہونیکا تصور بھی نہو۔ بلکہ مستحبات پر مداومت مطلوب ہے جیسا کہ روایت ہے خیر الاعمال مادیم علیہ وان قل۔

وقال یا عبد اللہؓ لا تکن مثل فلان کان یقوم اللیل ثم ترکہ الحدیث۔

(٢) تحریر ہے (کسی بھی حدیث سے مرفوع ہو یا موقوف حتی کہ حدیث ضعیف بلکہ موضوع حدیث سے بھی اس بارہ میں کہیں بھی ثبوت نہیں ہے) ـــــ حالانکہ ابھی مرفوع روایت گذری ہے۔

نیز یہ مزید تعجب کی بات ہے کہ ایک طرف یہ دعویٰ ہے یہ کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں حتیٰ کہ موضوع اور ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں اور دوسری طرف جب روایات سامنے آتی ہے تو موصوف اس روایت کو ضعیف وغریب کہکر رد کر دیتے ہیں جیسا کہ موصوف نے اپنے فتاویٰ میں اسود بن عامرؓ اور حضرت انسؓ کی روایت کو ضعیف قرار دیکر ترک کر دیا ہے۔ پھر ان کا یہ دعویٰ کیسے صحیح ہوا

کہ کسی روایت ضعیف سے بھی اس کا ثبوت نہیں ہے ان ھذا الشیئ عجاب
نیز ترمذی شریف میں حدیث مرفوع موجود ہے۔ (۲) عن ابن عباس رضی اللہ
عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ مثنی مثنی وتشہد
فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع یدیک ترفعھما الی ربک
مستقبلاً ببطونھما وجھک وتقول یارب یارب الخ اس روایت سے
بھی دعا بعد الصلوۃ برفع الیدین ثابت ہوتا ہے کما ایدہ صاحب الکوکب
فی کتابہ ص۱۷۱ ج۱ تحت قولہ وتقنع یدیک الخ من لفظ ھذا الحدیث یثبت
الدعاء برفع یدیہ کما ھو المعمول وانکار الجھلۃ علیہ مردود اھ۔
ومنھا ای من مستدلات الدعاء بعد الصلوۃ برفع یدیہ ما اخرجہ
ابن ابی حاتم باسنادہ (۳) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم رفع یدیہ بعد ما سلم وھو مستقبل القبلۃ فقال اللھم
خلص الولید بن الولید الخ قال یعقوب ھذا حدیث صحیح ۔ وفیہ
علی بن زید بن جدعان ۔ قال العجلی یکتب حدیثہ ومثلہ قال
بن عدی وغیرہ وقال ابن معین ما اختلط علی بن زید قط ۔
معارف السنن ص۱۲۲ ج۳ ومنھا ما رواہ ابن السنی "فی عمل الیوم
واللیلہ" باسناد (۴) عن انس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قال ما من عبد یبسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ یقول اللھم الٰہی

ولہ ابراھیم واسحٰق ویعقوب الخ الا کان حقا علی اللہ ان لا یرد یدیہ خائبتین،، ومنہا ما اخرجہ الطبرانی ،، فی الکبیر،،

(۵) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ" وفی الاوسط،، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر ثم اقبل علی القوم فقال اللّٰھم بارک لنا فی مدینتنا وبارک لنا فی مدنا وصاعنا وذکرھما السمہودی فی الوفاء ص۳۶، ۳۸ ج۱ ورجالہما ثقات کما قالہ معارف السنن ص۱۲۳ ج۳ (۶) ومنہا ای من مستدلات الدعاء بعد الصلوٰۃ المکتوبہ برفع الیدین اجتماعا ما ورد فی حدیث حبیب بن سلمۃ الضمری" فی کنز العمال ص۱۷۷ ج۱ ولا یجتمع ملاء فیدعو بعضہم ویؤمن بعضہم الا اجابہم اللہ معارف ص۱۲۲ ج۳

ان تمام روایات کے باوجود جو مسئلہ مبحوثہ عنہا پر کافی وشافی ہیں نہ معلوم مفتی صاحب موصوف نے کیوں تغمیضِ بصر سے کام لیا ہے ناظرین کرام ان روایات پر منصفانہ نظر ڈالیں اور خود فیصلہ کریں کہ موصوف کا مذکورہ قول کہاں تک صحیح ہے اللّٰھم اھدنا سبیل من اناب الیک ۔ ہاں اگر موصوف یہ فرماتے کہ میں قلتِ بضاعت کی وجہ سے ایسی روایات نہیں پا سکا جو مسئلہ مذکورہ پر دلالت کرے تو کسی درجہ میں عذر قابل قبول ہوتا تاہم عدمِ وجدان عدم وجود کی دلیل نہیں بنائی جا سکتی ہے۔

موصوف نے تو دعویٰ سلب کلی کا کیا تھا اس کے ابطال کیلئے اثبات جزئی کافی تھی مگر تبرعاً مزید روایات بصیرت پیدا کرنے کیلئے تحریر کر دی ہے تاکہ علی وجہ البصیرت رجوع کر سکیں نیز ان روایات سے موصوف کی یہ تحریر بھی باطل ہو گئی کہ (نہ نبی علیہ السلام نے ہاتھ اٹھایا نہ صحابہ نے الخ کما لا یخفیٰ علی ذوی الافہام

(۳) ـــ (نہ زمانۂ سلف صالحین و ائمہ مجتہدین میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے) یہ بھی درست نہیں چونکہ ابن تیمیہ نے اپنی تصنیف " الفتاوی الکبریٰ " میں لکھا ہے، ولهذا كان العلماء المتاخرون فی هذا الدعاء على اقوال منهم من يستحب ذالك عقيب الفجر والعصر كما ذكر ذالك طائفة من اصحاب ابی حنيفة ومالك واحمد وغيره الخ ص۱۸۸ ج۱ اس سے معلوم ہوا کہ چاروں ائمہ کرام کے نزدیک بالاتفاق نماز کے بعد دعا مانگنا امام و مقتدی کا برفع الیدین مستحب ہے۔

ابن عرفہ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ قاضی محمد بن العربی کے اقوال بھی اسی کے قریب ہیں۔ وهكذا فی فتح المعين لشوافع وهكذا فی كتاب ابن حجر شرح عباب۔ وهكذا فی شرح المهذب للنووی ص۴۸۸ ج۳ الدعاء للامام والماموم والمنفرد عقب كل صلوٰة بلا خلاف و يقول ويستحب ان يقبل على الناس فيدعو معارف السنن ص۱۲۳ ج۳ وهكذا فی شرح اقناع للشيخ بن ادريس حنبلی ـــ وهكذا فی نور الايضاح

وشرح مراقی الفلاح للشرنبلالی اس تفصیل سے موصوف کا یہ قول بھی باطل ہوگیا کہ (نہ فقہ کی کتابوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے) غرضکہ کتب فقہ وغیر کتب فقہ معتبرہ کی اسقدر تصریحات اور ائمہ مجتہدین کی اسقدر تفصیلات کے باوجود موصوف. کا قول قبولیت کے کس درجہ میں آسکتا ہے اہل نظر پر مخفی نہیں ۔

(۴) تحریر فرماتے ہیں (لہذا دعا کیلئے ہاتھ اٹھانا غلو فی الدین اور شرعی حد سے تجاوز ہے) اس کی بھی حقیقت ماسبق کے بیان سے واضح ہے محتاج بیان نہیں کہ جب احادیث صحیحہ قویہ مرفوعہ مستندہ مسئلہ محوثہ عنہا پر صراحۃً دلالت کر رہی ہیں نیز عمل صحابہ واقوال مجتہدین، وتصریحات فقہاء اس کی مؤید ہیں پھر موصوف کا مذکور قول کہاں تک درست ہے ؟ ۔

(۵) موصوف لکھتے ہیں کہ (ہاتھ اٹھانا عبث اور بے اصل ہے) موصوف کا ہاتھ اٹھانے کو عبث کہنا نہ معلوم کس معنی کو مراد لیکر ہے اگر عبث کے معنی لغو اور بیکار و بے فائدہ کے ہیں جیسا کہ یہی معنی متعین ومفہوم ومشہور ہے جس کی لغت بھی تائید کرتی ہے، تو پھر ہاتھ اٹھانے کو عبث یعنی بے کار و بے فائدہ کہنا قطعاً غلط ہے چونکہ اس کی افادیت تو خود حدیث کے اندر مصرح ہے جیسا کہ ماسبق میں ابن السنی کی کتاب "عمل الیوم واللیلۃ" کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت گذر چکی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں، مامن عبد یبسط کفیہ فی دبر کل صلوۃ الی ان قال الا کان حقاً علی اللہ ان لا یرد یدیہ خائبتین

اس تصریح کے باوجود دعا کیلئے ہاتھ اٹھانے کو بے اصل کہنا کس حد تک موزوں ہے۔ ہر ذی فہم اس کو سمجھ سکتا ہے۔

(۶) تحریر فرماتے ہیں بعض فقہاء نے بغیر کسی دلیل نقلی کے محض قیاس اور استنباط سے ایسی دعاء کو مستحب بتایا ہے کوئی حدیث قولی یا فعلی اپنے استدلال پر نہیں دیا ہے، جبکہ قیاس حجت شرعیہ میں سے ہے جیسا کہ صاحب نورالانوار نے لکھا ہے اعلم ان اصول الشرائع ثلثہ الکتاب والسنۃ والاجماع والاصل الرابع القیاس۔ اور قیاس سے مسائل کو مستنبط کرنے کو ہدایت فرمایا گیا ہے۔ پھر قیاس سے مستنبط مسائل کو بدعت کہنا کہاں تک درست ہے؟ نیز کسی فقیہ کا اپنے قول کے استدلال میں حدیث کا ذکر نہ کرنا اس قول کے مستنبط من القیاس ہونیکی دلیل نہیں تا آنکہ وہ خود اس قول کے قیاسی ہونے کی تصریح نہ کردے۔ نیز بعض فقہاء سے جس فقیہ کی طرف اشارہ ہے انھوں نے اپنے اقوال کے مستدلات کو بیان کرنیکا التزام ہی نہیں کیا ہے پھر ان پر یہ اشکال کیسے درست ہو سکتا ہے۔ نیز وہ روایات جو ما سبق میں گذر چکی ہیں وہ سب حضرات فقہاء کے مستدلات میں سے ہیں عدم بیان عدم وجود کی دلیل نہیں۔

(۷) دبر الصلوٰۃ کا لفظ جو حدیث میں آتا ہے اس کا مطلب آخر الصلوٰۃ ہے، موصوف نے دبر الصلوٰۃ کے معنی و مطلب اس انداز سے بیان فرمایا ہے گویا کہ دبر الصلوٰۃ کے معنی آخر الصلوٰۃ متعین ہے۔ حالانکہ دبر الصلوٰۃ کے تین معنی آتے ہیں جیسا کہ

ابن تیمیہ نے اپنی تصنیف "الفتاویٰ الکبریٰ" میں اس کی تصریح کی ہے فرماتے ہیں۔
"لفظ دبر الصلوٰۃ قد یراد بہ آخر جزء من الصلوٰۃ کما یراد بہ دبر الشئ
مؤخرہ" وقد یراد بہ ما بعد انقضائہا کما فی قولہ تعالیٰ وادبار السجود۔
وقد یراد بہ مجموع الامرین وبعض الاحادیث یفسر بعضاً من
تتبع ذالک وتدبرہ" ص ج ۱ ۱۸۹ دبر الصلوٰۃ کے معنی جس طرح آخر الصلوٰۃ
کے ہیں اسی طرح ما بعد انقضاء الصلوٰۃ کے بھی ہیں پھر تخصیص کی کیا وجہ
ہے؟ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس جگہ ما بعد انقضاء الصلوٰۃ ہی مراد ہے۔

(۸) موصوف نے لکھا ہے کہ کسی صحابی سے ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی کہ نبی علیہ السلام نے بعد فرائض صلوٰۃ کبھی بھی ہاتھ اٹھایا ہو۔ موصوف کا یہ قول بھی کس درجہ صحت کا مقام رکھتا ہے ما سبق کے بیان سے وہ عیاں ہے۔ کیا حدیث اسود بن عامر عن ابیہ سے حضور کا رفع یدین الدعاء بعد الصلوٰۃ ثابت نہیں ہوتا؟ اور کیا اسود کے والد صحابی نہیں ہیں؟ اگر صحابی نہیں ہیں تو صلیتُ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت میں کیسے موجود ہے؟ یہ لفظ یعنی لفظ صلیت اس بات پر صریح دال ہے کہ اسود کے والد صحابی ہیں۔ اسی طرح اس پر بھی صریح دال ہے کہ حضور نے بعد الصلوٰۃ المکتوبہ دعا کیلئے ہاتھ اٹھایا ہے۔ اس ثبوت اور شہادت کے باوجود ہم کیسے مان لیں کہ کسی بھی صحابی سے کوئی روایت حضور کے رفع یدین الدعاء بعد المکتوبہ پر موجود نہیں ہے اور نیز حضور نے فرائض کے بعد

کبھی بھی دعا کیلئے ہاتھ نہیں اٹھایا موصوف کا یہ قول بھی قابل قبول نہیں۔

موصوف کے اس قول کی تردید کیلئے ایک روایت کا پیش کردینا اس کے ثبوت پر کافی ہے چونکہ یہاں پر بھی موصوف نے سلب کلی کا دعوی کیا ہے اور ضابطہ مسلمہ ہے کہ سلب کلی کے ابطال کیلئے اثبات جزئی کافی ہے۔ لیکن تبرعاً ایک اور روایت پیش کردیتے ہیں۔ ما اخرجہ ابن ابی حاتم باسنادہ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رفع یدیہ بعد ما سلّم وھو مستقبل القبلۃ فقال اللّٰھم خلص الولید بن الولید الخ اس روایت کے اسناد پر ماسبق میں کلام کیا جا چکا ہے کہ یہ روایت رواۃ واسناد کے اعتبار سے صحیح ہے جیسا کہ یعقوب کا بھی قول نقل کیا تھا کہ قال یعقوب ہذا حدیث صحیح" اور یہ روایت مرفوع بھی ہے اور راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللّٰہ عنہ ہیں جو کہ صحابی ہیں انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور یہ صحابی حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے رفع یدین الدعاء کو بعد ماسلّم بیان کر رہے ہیں تو غور فرمائیں کہ صحابی کی روایت ہے اور حضور کا رفع یدین الدعاء بعد ماسلّم ثابت کر رہے ہیں ان روایات کے باوجود موصوف کا مذکورہ قول کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد والا قول موصوف کا لہذا کر کے قول اول پر متفرع ہے جب قول اول درجۂ صحت سے خارج ہوگیا تو یہ تفریع بھی درجۂ صحت سے بدرجہ اولی خارج ہوگئی کما لا یخفی علی من لہٗ اقل نصیب من الدرایہ۔ فاعتبروا

یا اولی الابصار ۔ نیز اسی طرح دوسرا لہذا کرکے جو تفریع کی ہے ۔

(۹) یعنی لہذا اس دور کے علماء اگر دعا میں ہاتھ اٹھاتے ہیں تو یہ انکا اپنا ذاتی فعل ہے جو کہ سند نہیں ہے)

یہ بھی مقام صحت سے بالاتر ہے چونکہ ماسبق کی روایات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین لدعاء بعد الفرائض ثابت ہے پھر اس عمل کو ان علماء کی ذاتی رائے کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے ۔ یہ تو اتباع عملِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ عملِ رسول کی اتباع کو ذاتی رائے سے تعبیر کرنا کہاں تک درست ہے ؟ نیز یہ کہنا کہ یہ سند نہیں ہے یعنی علماء کا ذاتی فعل سند نہیں ہے یہ تو اس وقت کہنا درست ہوگا جبکہ انکا فعل مستند نہو ۔ جب انکا یہ فعل مستند ہے تو اس کے سند بن نے میں کیا اشکال ہے ۔ اور اگر بالفرض ومحال ہم مان لیں کہ کسی بھی حدیث میں رفع یدین لدعاء بعد المکتوبہ کا ثبوت نہیں ہے ۔ اور کسی بھی روایت میں اسکا ذکر نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث میں اس کا ذکر نہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ آپ نے ہاتھ اٹھایا ہی نہیں اس لئے کہ کسی شئی کا ذکر نہونا اس کے عدم کو مستلزم نہیں کما ھو شائع ذائع مشھور جدا ان عدم الثبوت لایستلزم ثبوت العدم اور جبکہ اس کا لحاظ کیا جائے کہ ہاتھ اٹھانا مطلق دعاء کے آداب میں سے ہے تو ہاتھ اٹھانے کی ترجیح ثابت ہوتی ہے کما لایخفی علی ذوی الافہام ۔

(۱۰) تعامل سلف حجت ہے تعامل خلف حجت نہیں نہ معلوم سلف سے کون سے قرون کے حضرات مراد ہیں اگر یہ معلوم ہوجاتا تو جواب دینے میں سہولت ہوتی تاہم مطلقاً یہ کہنا کہ تعامل خلف حجت نہیں، درست نہیں چونکہ اگر تعامل خلف مقرون بعمل السلف ہو یا مقرون بقول السلف ہو تو اس کے حجیت میں کوئی شک نہیں خصوصاً جبکہ تعامل سلف ماخوذ من السنۃ ہو کما بسطناہ من قبل۔ لہذا علی الاطلاق تعامل خلف کے عدم حجیت کا قول قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔

(۱۱) نیز موصوف نے نورالایضاح ومراقی الفلاح کے مندوبیت کے قول کو ناقابلِ عمل قرار دیا ہے چونکہ ان کے قول کی نہ تو کوئی سند ہے نہ دلیل نہ کسی مجتہد سے منقول محض ان کی ایک رائے ہے۔ اس کے بھی دو جواب ہیں (۱) صاحب نورالایضاح نے دلیل بیان کرنیکا التزام ہی نہیں کیا ہے پھر اعتراض کرنا بے جا ہے۔ اگر ہر مسئلہ کے تحت انھوں نے دلیل بیان کی ہوتی اور اس مسئلہ کے تحت دلیل بیان نہ کی ہوتی اس وقت قولِ مذکور برمحل ہوتا۔ نیز جبکہ صاحب نورالایضاح کے ہر مسئلہ کو بلا دلیل بیان کئے ہوئے تسلیم کرتے ہیں تو اس مسئلہ کو تسلیم کیوں نہیں کرتے؟
دوسرا جواب یہ ہے کہ عدم بیان عدم وجود کی دلیل نہیں لہذا یہ کہنا کہ صاحب نورالایضاح کے قول کی کوئی سند نہیں کیسے درست ہوسکتا ہے؟ ان کا قول مستند ہے اور سند وہ روایات ہیں جو ما سبق میں گذر چکی ہیں لہذا جب ان کا قول مستند ہے تو مقرون بالسند ہونے کی وجہ سے انکا قول بھی سند ہوگا نیز یہ فرمانا کہ نہ کسی مجتہد سے منقول ہے

یہ بھی محل کلام ہے چونکہ ائمہ مجتہدین کے اقوال ماسبق میں بالتفصیل بیان کئے جا چکے ہیں۔ ثالثاً یہ کہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ صاحب نورالایضاح و مراقی الفلاح کا قول معتبر نہیں چونکہ ان کے قول پر کوئی دلیل نہیں ہے لہذا یہ ان کی ذاتی رائے ہے اور یہ قابلِ عمل نہیں تو ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ پھر صاحب فیض الباری و صاحب الفتاوٰی الکبریٰ و صاحب معارف السنن کے اقوال کا بھی اعتبار ہے یا نہیں ؟ اگر ان حضرات کے اقوال کو معتبر مانتے ہیں اور یقیناً مانتے ہیں اسی وجہ سے تو آپ نے مدعا کے استشہاد کیلئے ان حضرات کے اقوال کو پیش کیا ہے تو اب میں پوچھتا ہوں کہ آپ ان حضرات کے اقوال کو کیوں تسلیم کرتے ہیں ؟ اور اپنے مدعا کیلئے قابل حجت سمجھتے ہیں حالانکہ ان حضرات نے بھی اپنے اقوال پر کوئی دلیل کتاب وسنت سے نہیں دی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ان حضرات کے اقوال کو جو محض علمی کلام و گفتگو کی حیثیت رکھتی ہے دعاء بھیئت اجتماعیہ بعد الفرائض کے سلسلہ میں حجت سمجھتے ہیں یہ بھی تو محض ان کی ذاتی رائے ہے اور جسطرح صاحب نورالایضاح کا قول ان کی ذاتی رائے ہونے کی وجہ سے قابل حجت نہیں اسی طرح ان حضرات کے بھی اقوال محض ذاتی رائے ہونیکی وجہ سے حجت نہیں ہونے چاہیئے پھر وجہ فرق کیا ہے ؟ کہ ایک کو حجت مانتے ہیں اور ایک کو حجت نہیں مانتے جبکہ دونوں ایک درجہ میں ہیں بلکہ ان حضرات کا بھی قول جو بدعت ہونیکا ہے قابل التفات و اعتبار نہ ہونا چاہیئے۔ اور اگر آپ کہتے ہیں کہ ان حضرات کے اقوال کی تائید میں کوئی روایت یا عمل نبی صلی اللہ

علیہ وسلم یا عمل صحابہ یا قول مجتہد ہے اور صاحب نورالایضاح کے قول کی تائید میں نہ کوئی روایت ہے نہ عمل نبی ہے نہ عمل صحابہ نہ قول مجتہد تو یہ تسلیم نہیں چونکہ صاحب نورالایضاح کی تائید میں روایت بھی ہے قول نبی بھی ہے قول صحابی بھی ہے قول مجتہد بھی ہے جیسا کہ ماقبل میں بسط کیساتھ اس کو بیان کیا جاچکا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ معاملہ برعکس ہے تو روایتی حیثیث سے بیجا نہو گا چونکہ ایک بھی روایت مسئلہ مبحوثہ عنہا کے انکار پر نہیں ملتی ہے۔ نیز موصوف نے اپنے مدعا کے اثبات پر جس بزرگ کے قول کو استشہاد میں پیش کیا ہے وہ خود ان کے خلاف ہیں۔ اور میدانِ تحقیق میں صاحب نورالایضاح کے قول کے ہمکنار ہیں یعنی علامہ یوسف بنوری نے بھی صاحب نورالایضاح ہی کے قول کی تائید کی ہے جیسا کہ ابھی آرہا ہے فانتظر۔

نیز کسی شئ کی سنیت پر کسی قول کا نہونا اس کے بدعت ہونے کو مستلزم نہیں جیسا کہ نورالایضاح کے ص۱۲۲ کے حاشیہ پر مصرح ہے اور اگر صاحب فیض الباری، والفتاوی الکبری، ومعارف السنن، کے قول کا اعتبار نہیں چونکہ ان کے اقوال پر نہ کوئی دلیل ہے نہ قول مجتہد ہے تو پھر ان حضرات کے اقوال سے مسئلہ مبحوثہ عنہا کے بدعت ہونے پر استدلال کیسے درست ہوسکتا ہے ان ھذا لشئ عجاب۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ابتک تو موصوف کے جوشِ خامہ فرسائی میں زلّۃ قلم کی نشاندہی کی گئی

تھی اب ہم موصوف کے چند تسامحات کو ذکر کرتے ہیں جو موصوف نے نقلِ عبارت میں قطع و برید سے کام لیکر اپنے مدعا کو زبردستی ان اقوال سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

(۱) تسامح جو ابن تیمیہ کی نقلِ عبارت میں کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے

دعاء الامام والمامومین جمیعاً عقیب الصلوٰۃ فھو بدعۃ لم یکن علی عھد النبی صلی اللہ علیہ فتاوی ابن تیمیہ صفحہ ۱۸۴ ج ۱ اس نقل میں "بدعۃ"(۱) کا لفظ موجود ہے حالانکہ اصل عبارت میں لفظ "بدعۃ" کا وجود ہی نہیں ہے

(۲) اس نقل میں "لم یکن علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" ہے اور اصل عبارت میں "فلم ینقل ھذا احد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم" ہے چنانچہ اصل عبارت ابن تیمیہ کی "الفتاوی الکبری" سے بعینہٖ نقل کیجاتی ہے ناظرین کرام غور فرمائیں کہ اس میں لفظ بدعت کہاں ہے۔ نیز لم یکن عن عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے یا "فلم ینقل ھذا احد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔ واما قراءۃ اٰیۃ الکرسی فقد رویت باسنا لا یمکن ان یثبت بہ سنۃ" واما دعاء الامام والماموین جمیعاً عقیب الصلاۃ فلم ینقل ھذا احد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم" ولکن نقل عنہ انہ امر معاذاً ان یقول دبر کل صلوۃ اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک اھ صفحہ ۱۸۴ ج ۱

غرضکہ موصوف نے جو یہ ترمیم و تنسیخ و اضافہ سے کام لیا ہے کہ لفظ "بدعۃ"
کا اضافہ فرمادیا اور "فلم نیقل" الخ کی جگہ "لم یکن" الخ لکھدیا یہ مصنف کی عبارت
میں کیا خیانت نہیں ہے؟ نیز اس سے موصوف کا وقار کیا مجروح نہیں ہوتا ہے؟
ممکن تھا کہ استفتار کے اندر غلط لکھا گیا ہو مگر جب موصوف کی اصل کتاب پر
نظر پڑی تو یہ خیانت مزید آشکارا ہو گئی چونکہ وہاں بھی ص۵۶ پر یہی عبارت
بعینہٖ موجود ہے۔ نیز ابن تیمیہ کی تصنیف "الفتاویٰ الکبریٰ" میں ص۱۸۶ ج۱ سے
ص۱۸۹ ج۱ تک یہی مسئلہ زیر بحث ہے مگر کہیں بھی ابن تیمیہ نے مسئلہ بحوثہ عنہا
کو بدعت سے تعبیر نہیں فرمایا ہے۔ نیز اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ موصوف نے ابن
تیمیہ کی عبارت "فلم نیقل ھذا احد" الخ سے بدعت کا مفہوم اخذ کیا ہے تو
یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ علامہ شرنبلالی کے درج ذیل عبارت سے بدعت کا مفہوم
اخذ کیا جائے فرماتے ہیں ولہ ای الاستسقاء، صلوۃ جائزۃ بلا کراھۃ
ولیست سنۃ لعدم فعل عمر رضی اللہ عنہ لھا حین استسقی
لانہ کان اشد الناس اتباعاً لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وقد استسقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجمیع الصحابہ
ولو ثبت صلوتہ فیھا لاشتھر نقلہ اشتھاراً واسعاً (مراقی الفلاح
ص۳۰۰) ولم ینکرھا عمر رضی اللہ عنہ وبترکہ لم ینکروا علیہ الخ

یعنی صلوٰۃ استسقاء جائز ہے بلا کراہت مگر سنت نہیں ہے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کہ لوگوں میں سب سے زیادہ متبع لافعال واقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں استسقاء کے وقت نماز نہیں ادا فرمائی بلکہ استسقاء کیلئے نکلے اور صرف استغفار فرمایا انہ خرج یستسقی فمازاد علی الاستغفار اھ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کیساتھ استسقاء فرمائی ہے لہذا اگر آنحضور کا استسقاء کیلئے نماز پڑھنا ثابت ہوتا تو اس کے نقل کی شہرت وسیع پیمانہ پر ہوتی الخ غرضکہ صلوٰۃ استسقاء کی روایات باوجودیکہ شائع ومشہور نہیں ہیں اور اس کے ثبوت میں نقل روایات کو شہرت کا مقام حاصل نہیں ہے تاہم کوئی صلوٰۃ استسقاء کو علامہ شرنبلالی کے اس قول سے استدلال کرتے ہوئے بدعت نہیں کہتا اس سے معلوم ہوا کہ مشہور نہ ہونا نقل کا بدعت ہونیکی دلیل نہیں۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شئی کی عدم سنیت پر قول کا پایا جانا اس کے بدعت ہونے کو مستلزم نہیں ولا یلزم من عدم قوله بسنيتها بدعة كما نقله عنه اى الامام ابى حنيفه بعض المشتغلين بالتعصب بل هو قائل بالجواز ها مش نور الایضاح ص ۱۲۲ غرضکہ موصوف جسطرح صلوٰۃ استسقاء کو بدعت نہیں فرماتے اسی طرح دعاء بعد الفرائض اجتماعاً کو بھی بدعت کہنے کی زحمت نہ فرمادیں چونکہ اس پر بھی روایات موجود ہیں جسطرح صلوٰۃ استسقاء کے ثبوت پر موجود ہیں اور جس طرح دعاء بعد الفرائض اجتماعاً کی روایات

نقل کے اعتبار سے مشہور نہیں اسی طرح صلوۃ استسقار کی بھی روایات نقل کے اعتبار سے مشہور نہیں جیسا کہ علامہ شرنبلالی فرماتے ہیں نیز اس پر کوئی دوسرا اشکال بھی بے محل ہوگا چونکہ صلوۃ استسقا، دمسئلہ مبحوثہ عنہا میں سنت و استحباب کا فرق ملحوظ رکھا گیا ہے فافہم وتدبر۔

(۲) تسامح جو موصوف نے معارف السنن کی عبارت کے ترجمہ میں کی ہے وہ بھی ہدیۂ ناظرین ہے۔ فرماتے ہیں۔

نیز مولانا یوسف بنوری نے جامع ترمذی کی شرح معارف السنن ج۴ ص۴۰۹ میں فرماتے ہیں کہ بہت سے شہروں میں یہ بات رائج ہے کہ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور سے دعا رمانگتے ہیں حالانکہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کبھی کبھار کیلئے بھی ایسی دعار کا ثبوت نہیں ہے چہ جائیکہ ہمیشہ کرنا"۔ ہاں البتہ فرائض کے بعد تو اذکار کیساتھ بہت سی دعائیں ثابت ہیں مگر وہاں نہ ہاتھ اٹھانا ہے نہ ہیئت اجتماعیہ"۔ موصوف نے جو یہ ترجمہ کیا ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کبھی کبھار کیلئے بھی ایسی دعار کا ثبوت نہیں ہے چہ جائیکہ ہمیشہ کرنا"۔ یہ علامہ بنوری علیہ الرحمۃ کی عبارت کے کونسے جملہ کا ترجمہ ہے موصوف کی عبارت میں کوئی جملہ ایسا نہیں ہے جس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے چنانچہ اصل عبارت درج کیجا رہی ہے تاکہ اہل علم حضرات اچھی طرح سمجھ سکیں اس ترجمہ کا عبارت سے کیا جوڑ ہے اور کیا اپنی طرف سے ایسا ترجمہ کرنا جس پر مصنف کا کوئی جملہ

دال نہو خیانت میں داخل نہیں ہے؟ اصل عبارت یہ ہے "بحث تنبیہ" قد راج
فی کثیر من البلاد الدعاء بھیئة اجتماعیہ رافعین ایدیہم بعد
الصلوۃ المکتوبہ ولم یثبت ذالک فی عہدہ صلی اللہ علیہ
وسلم وبالاخص بالمواظبہ، نعم ثبت ادعیۃ کثیرہ بالتواتر
بعد المکتوبہ ولکنہا من غیر رفع الایدی ومن غیر ھیئة
اجتماعیہ معارف السنن ج۳ ص۴۰۹ حالانکہ موصوف مواظبت کی نفی کر رہے
ہیں جیسا کہ خود فرمایا ہے "وبالاخص بالمواظبة" نہ یہ کہ کبھی کبھار ایسا کرنیکی
نفی کر رہے ہوں جس سے اس کا بدعت ہونا ثابت ہو جائے ۔ نیز لم یثبت الخ
فرمایا اور عدم ثبوت احداث کو مستلزم نہیں چونکہ علامہ موصوف نے اپنے تتبع
کے تحت لم یثبت فرمایا ہے کاش کہ مفتی صاحب موصوف خوفِ طوالت کی وجہ
سے اس کی تفصیل کو نظر انداز نہ کرتے تو موصوف پر یہ بات آشکارا ہو جاتی کہ
علامہ بنوری علیہ الرحمہ بھی اس کے بدعت ہونے کے قطعاً قائل نہیں ہیں چنانچہ
اس مقام پر کہیں بھی لفظ 'بدعۃ' کو استعمال نہیں فرمایا بلکہ عدم ثبوت کا لفظ
استعمال فرمایا ہے نیز اسی صفحہ و بحث کی سیاق و سباق کی عبارات اس کے عدم
بدعت پر صراحتاً دلالت کر رہی ہیں جیسا کہ مذکورہ عبارت کے بعد متصلاً لکھتے
ہیں "نعم ثبت دعاءہ برفع الیدین باجتماع بعد النافلہ فی
واقعتین الخ نیز علامہ موصوف نے معارف السنن کے اسی جلد میں ج۳ ص۱۲۱

سے ص۲۲۴ تک اس پر مبسوط کلام فرمایا ہے لیکن کسی مقام پر بھی دعاء بعد الفرائض بہیئت اجتماعی کیلئے بدعت کا لفظ استعمال نہیں فرمایا برخلاف اس کے دعاء بعد الفرائض پر احادیث کا انبار لا جمع کیا ہے چنانچہ علامہ موصوف کے رشحات قلم ہدیۂ ناظرین ہے تاکہ مسئلہ مبحوثہ عنہا کے سلسلہ میں علامہ بنوری علیہ الرحمہ کا خیال روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے فرماتے ہیں وردت احادیث قولیۃ وفعلیۃ فی الدعاء دبر الصلوۃ مطلقاً، ای قبل الفراغ عنہا، وکذا بعد الفراغ عنہا، وصحت احادیث عامۃ فی ادب الدعاء من رفع الیدین ومسح الوجہ بہما بعد الدعاء الی ان قال وورد فی حدیث حبیب بن سلمۃ الفہری فی کنز العمال ج۱ ص۱۲۴ ولا یجتمع ملأ فیدعو بعضہم ویؤمن بعضہم الا اجابہم اللہ وھو دلیل لدعاء بہیئۃ اجتماعیہ، ومظنۃ قبولہا اکثر من دعاء الوحدان، اس کے بعد مسئلہ مبحوثہ عنہا کے اثبات پر پانچ روایتیں پیش کی ہیں اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں، فہذہ وما شاکلہا من الروایات فی الباب تکاد تکفی حجۃ لما اعتادہ الناس فی البلاد من الدعوات الاجتماعیہ دبر الصلوۃ ولذا ذکرہ فقہائنا ایضاً کما فی نور الایضاح وشرحہ مراقی الفلاح للشرنبلالی، ویقول النووی فی شرح المہذب ج۳ ص۴۸۸ الدعاء للامام والماموم والمنفرد مستحب عقب کل الصلوۃ

بلاخلاف، ویستحب ان یقبل علی الناس فید عوا رہ۔

ہاں اگر علامہ بنوری علیہ الرحمۃ نے بدعت قرار دیا ہے تو اس دعار کو بدعت قرار دیا ہے جو اہل بدع سنتوں کے بعد کرتے ہیں جس میں امام بلند آواز سے الفاتحہ کہتا ہے اس کے بعد امام و مقتدی سب سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں اس کے بعد درود شریف پڑھتے ہیں وغیر ذالک یہ بدعت ہے چونکہ اس کے ساتھ واجب جیسا التزام ہوتا ہے اور اگر کوئی امام یا مقتدی ہیئت کذائیہ کیساتھ دعار نہیں کرتا تو اس پر نکیر کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات یہ انکار و نکیر جنگ و جدال کی حد کو پہونچا دیتی ہے، سب و شتم کی نوبت آجاتی ہے، اور بھی دوسری ایسی قباحتیں اس میں ہیں جو ہر موقع دیکھنے میں آتی ہیں، لہذا یہ یقیناً ایسی بدعت ہے۔ جو بہت سے بدعتوں کو اپنے دامن میں سمو دے ہوئی ہے، پس اس کو سنت کہنا کسی طرح بھی درست نہو گا۔ بخلاف دعار بعد الفرائض بہیئت اجتماعی کے کہ اس میں ان خرافات میں سے کوئی بھی کبھی دیکھنے میں نہیں آئی اور نہ تو اور یہ ہمارے مدارس جہاں ہر وقت طلبار پر نگرانی رہتی ہے، قوم کی امانت سمجھکر ان کی تربیت اپنا فریضہ سمجھتے ہیں ہر خلاف شرع امر پر نکیر کیجاتی ہے فرائض تو در کنار سنن و مستحبات پر عمل کی تاکید ہوتی ہے اور حسب موقعہ زجر و توبیخ سے بھی کام لیا جاتا ہے، مگر ان آنکھوں نے اپنے زمانہ طالب علمی میں مظاہر علوم، گنگوہ، دارالعلوم دیوبند کے طلبار کو خوب دیکھا کہ بہت سے طلبار نماز

کے بعد فوراً بغیر دعا میں شرکت کئے چلے جاتے تھے، خصوصاً عصر کی نماز کے بعد کہ اس وقت کھانا لینا ہوتا ہے مگر کبھی بھی کسی استاد نے نکیر نہیں فرمائی، اس پر زجر و توبیخ نہیں فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ فرائض کے بعد اجتماعی دعا پر ایسا التزام نہیں ہے جو مفضی الی خصام شدید، وجدال قبیح، وقبائح و فضائع من الجہالات الفاحشہ ہو۔ اور بدعات کثیرہ کو متضمن ہو ورنہ انکار و نکیر ضرور ہوتا، مگر اس کا نہ ہونا یہ دلیل ہے کہ اس کو فرض و واجب شمار نہیں کیا جاتا بلکہ مستحب ہی تصور کیا جاتا ہے باقی رہا عوام کا مسئلہ تو ان کو یہ بتلا دیا جائے کہ یہ مستحبات میں سے ہے کیا ضروری ہے کہ عوام کو بدعت ہی کے عنوان سے روشناس کرایا جائے۔ ہاں جنگ و جدال کی کیفیت آپ کے فتویٰ سے پیدا ہو گئی ہو گی بایں طور کہ ہر فریق اپنے معاملہ میں متشدد ہو گا اور اس کا سبب مسئلہ مبحوثہ عنہا کو بدعت کا عنوان دینا ہے۔ کاش کہ اس موضوع کو جولانیٔ طبع و اظہار خامہ فرسائی کا ذریعہ نہ بنایا جاتا اور اس کو بدعت سیئہ ثابت کرنے کی دلائل متزلزلہ سے کاوش نہ کیجاتی تاکہ عوام اس کش مکش اور علماء کے ساتھ بدظنی قائم کرنے سے محفوظ رہتی جیسا کہ ہمارے اکابر نے توقف و سکوت کا اسوہ اختیار فرمایا ہے چونکہ اس میں گنجائش ہے استحباب کا درجہ ثابت ہوتا ہے غرضکہ احقر موصوف کی نقل کردہ عبارت کے صرف دو حوالوں کو دیکھ پایا تھا "فتاوی ابن تیمیہ"، "معارف السنن" کہ عبارات کی خیانتوں قطع و برید، وحذف

واضافہ، وترجمہ کی گڑبڑی نے طبیعت کو مکدر کردیا، مزید حوالے دیکھنے پر طبیعت
آمادہ نہیں ہوئی۔ اور اس فیصلہ پر مجبور ہوگیا کہ جب ان دو حوالوں کا یہ حال ہے، تو آئندہ
بس خدا ہی رحم فرمائے۔ اسلئے مزید حوالے دیکھنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کی۔
غرضکہ فرائض کے بعد بہیئت اجتماعیہ دعاء کو بدعت کہنا نہ نقلاً درست ہے نہ عقلاً
درست ہے نیز جبکہ اس دور پر فتن میں اکثر لوگ اپنے مشاغل میں گنجائش نکال کر نماز
کیلئے آتے ہیں پھر اگر نماز کے بعد بہیئت اجتماعیہ دعا کو بدعت قرار دیکر ممنوع قرار
دیدیا جائے تو وہ عوام جو ہر وقت مشغول رہتے ہیں دعاء سے بالکل محروم ہی ہوجائینگے
بعض غفلت کی وجہ سے، بعض کاہلی وسستی کی وجہ سے، بعض قسوۃ کی وجہ سے،
بعض عدم فرصت کی وجہ سے، اور اگر کسی طرح گنجائش نکال بھی لی تو اجتماعی دعاء
کی برکت وفضیلت سے تو محروم ضرور ہی ہوجائیں گے چونکہ اجتماعی دعاء میں جو
قبولیت کی امید ہوتی ہے اور جو اثر ہوتا ہے وہ تنہا دعاء کرنے میں حاصل نہیں
جیساکہ روایت سے بھی یہ مفہوم ثابت ہوتا ہے۔

غرضکہ اگر بہیئت اجتماعی دعا جاری رکھی جائے تو اس میں بہت سے فوائد
ہیں عوام[1] انتشار معہود سے بھی محفوظ رہے گی، نیز[2] علماء کے ساتھ بدظنی سے بھی محفوظ
رہے گی اور اس[3] میں سب کی شرکت بھی ہو جائے گی، قبولیت[4] کی بھی زیادہ امید
ہوگی، اس موقعہ غنیمت[5] سے فائدہ اٹھا سکے گی چنانچہ صاحب کوکب علیہ الرحمہ
نے بھی اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ولکنا معاشر العوام الذین عمتہم

الغفلة واحاطت بهم القسوة حتى لا یکاد احدنا یؤدی الاحکام حسب ما امر به لسنا نتمکن من الاکتفاء بالدعوات الضمنیه للتی اشیر الیها فی الایه (ای ادعونی استجب لکم) بل لابد اتیان الدعاء مستقلاً علی حدة نیعز زتارك الدعوات بعد الصلوة ولا یعذر علی ترکها کوکب ص ۲۹۱ ج ۲

نیز علماء احناف نے بھی یہی لکھا ہے کہ فرائض کے بعد سنت سے قبل دعاؤں کو غنیمت سمجھے کذا علی هامش کوکب ویغتنم الدعاء بعد المکتوبه وقبل السنة علی ماروی عن البقالی من انه قال الافضل ان یشتغل بالدعاء ثم بالسنة وبعد السنن والاوراد علی ماروی من غیره وهو المشهور المعمول به فی زماننا کما لا یخفی فانه مستجاب بالحدیث وقد قال النبی صلی الله علیه وسلم فی حدیث رواه ابن عباس رضی الله عنه من لم یفعل ذالك فهو خداج ای من لم یدع بعد الصلوة رافعاً یدیه الی ربه مستقبلاً ببوطنهما الی وجهه ولم یطلب حاجاته قائلاً یارب یارب فما فعله من الصلوة ناقصة عند الحق سبحانه کذا حقق فی التنویر اعلاء السنن میں اس روایت کی تصحیح موجود ہے اور قیل وقال کا بھی ذکر ہے۔

غرضکہ مسئلہ مبحوثہ عنہا کا اثباتی پہلو راجح ہے۔ باقی رہا ائمہ اربعہ کے

اقوال، تو مسئلہ مبحوثہ عنہا کے اثبات پر ائمہ اربعہ کے اقوال بھی ذکر کئے جا چکے ہیں جس کے مطالعہ کے بعد مسئلہ بے غبار ہو کر سامنے آجائے گا تاہم اس کی مزید توضیح پیش کیجا رہی ہے۔

(۱) بعض حضرات نے امام شاطبی مالکی کے اقوال سے دعا بہیئت اجتماعی کو بدعت ثابت کیا ہے مگر امام شاطبی کے اقوال جو الاعتصام میں ہیں جس سے امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی اس کا بدعت ہونا ثابت ہوتا ہے مگر یہ استدلال تام نہیں چونکہ امام شاطبی کی مراد "انہ بدعۃ" سے یہ نہیں ہے کہ یہ عمل مطلقاً بدعت ہے (اور یہ کیسے فرما سکتے ہیں جبکہ روایات سے اسکا ثبوت ہے جیساکہ ماسبق میں ان روایات کو ذکر کیا گیا ہے) بلکہ "انہ بدعۃ" سے ان کی مراد یہ ہے کہ اس پر مواظبت بدعت ہے (یظن انہ سنۃ الصلوۃ او واجب وغیر ذالک) جیساکہ علامہ بنوری علیہ الرحمۃ نے امام شاطبی کے اس قول کی یہی توجیہ بیان فرمائی ہے۔ وما ذکرہ الشاطبی فی کتابہ "الاعتصام" من مذہب مالک: انہ بدعۃ، فلیحمل علی ان المواظبۃ بہ بدعۃ لعدم استمرار عملہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ لا ان العمل بہ بدعۃ مطلقاً یا یہ کہیئے امام شاطبی کے اس قول میں اس معنی کا بھی احتمال ہے اور ضابطہ ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال لہذا امام شاطبی کے قول سے امام مالک علیہ الرحمۃ کے

نزدیک بدعت کا ثبوت نہیں ہو سکے گا۔ نیز امام مالک علیہ الرحمۃ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ اس میں کچھ کراہت سمجھتے ہیں فرمایا کہ میں اس میں کچھ کراہت نہیں سمجھتا ہاں البتہ ہاتھوں کو بہت زیادہ نہ اٹھائے۔

نیز امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے عامر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ نماز کے بعد بیٹھے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعار مانگ رہے ہیں غرضکہ جب امام مالک علیہ الرحمہ سے روایت موجود ہے پھر وہ بدعت کا کیسے قول کر سکتے ہیں۔

(۲) شہاب الدین قرافی کے قول سے بھی بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ انھوں نے اس کو بدعت مکروہہ میں داخل فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شہاب الدین قرافی نے دعار بعد الفرائض بہیئت اجتماعی کو مطلقا مکروہ بدعت قرار نہیں دیا بلکہ اس کراہت کی انھوں نے وجہ بھی بیان کی ہے کہ امام کے نفس میں اس کی وجہ سے تعاظم و تکبر پیدا ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بدعت مکروہہ معلل ہے علتِ تعاظم و تکبر کیسا تھ لہذا جب علت مفقود ہوگی وہاں معلول بھی نہیں پایا جائے گا اور حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ جو کراہت کسی ایسے عارض کی وجہ سے ہو کہ اس کا وجود اکثر و غالب نہ ہو تو وہ کراہت عارض کے معدوم ہونے کے وقت اباحت فی نفسہ کے معارض نہیں۔

غرضکہ امام قرافی کے قول سے بھی مطلقاً کراہت پر استدلال درست نہوگا جبکہ وہ معلول بالعلت ہے۔

نیز ابن عرفہ کا قول بدعت ہونے کے خلاف ہے جو کہ مالکی ہیں وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اندلس کے بعض ان علماء پر کہ جب انھوں نے یہ سنا کہ بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں تو ایک رسالہ اس کی تردید میں تصنیف فرمایا اور یہ رسالہ "کتاب المعیار" کے نوازل الصلوۃ میں مرقوم ہے کہ تمام اطراف کے مساجد میں نماز کے بعد دعاء مانگنا بدیہیات میں سے ہے اور استصحاب حال خود ایک حجۃ شرعیہ ہے اور مشرق و مغرب میں تمام مسلمانوں کا اس پر قدیم زمانہ سے مجتمع و متفق ہونا اور کسی کا انکار نہ کرنا اس عمل کے جائز اور مستحب اور مستحسن اور علماء مذہب کے نزدیک اس کے موکد ہونے کی دلیل ہے غرضکہ تمام مشائخ اندلس اس کے بدعت ہونے کے قائل نہیں تھے حالانکہ بعض حضرات نے تمام مشائخ اندلس کی طرف اس کو منسوب کر دیا ہے۔ ان ھذا من اعاجیب الزمن

(۲) حضرات شوافع تو اس سلسلہ میں امام نووی کی تصریح کتاب الاذکار کے حوالہ سے گذر چکی ہے کہ وہ استحباب کے قائل ہیں نیز فتح المعین الشوافع کے حوالہ سے گذر چکا ہے۔

(۳) حضرات حنابلہ تو ان میں سے شیخ منصور بن ادریس کا قول جو شرح اقناع

یں ہے مسئلہ مبحوثہ عنہا کا مؤید ہے کما ذکرناہ من قبل۔ اِنی رحنا جنہیں ہمبر ر
ابن قیم حنبلی کے متعلق سوال کہ انھوں نے تو بدعت کہا ہے سو وہ بھی سننے کہ
ابن تیمیہ نے مسئلہ مبحوثہ عنہا پر کلام کیا ہے مگر کسی جگہ بھی لفظ بدعت کا
استعمال نہیں فرمایا کما ھو ظاھر من التحریر السابق وقد بسطناہ من
قبل باقی رہے ابن قیم تو یہ صحیح ہے کہ انھوں نے بدعت کا دعویٰ کیا ہے
مگر ان کے قول پر بھی معارضہ وارد کیا گیا ہے اور مناقشہ کیا گیا ہے کما

ایدہٗ عبارۃ العلامۃ البنوریؒ وابن القیم ایضاً یدعی انہٗ
بدعۃ ونوقش افادہٗ الشیخ علی محلہ من کتبہ اہ معارف
السنن ص ۴۱۰ ج ۳ ۔

نیز ابن قیم کی کتاب زاد المعاد کا ترجمہ وتشریح باسم خیر العباد مفتی عزیز الرحمن
صاحب بجنوری نے کی ہے مگر انھوں نے بھی ابن قیم کی کتاب زاد المعاد کے
اس مقام پر پہونچکر ابن قیم کی جمکر احادیث کے ذریعہ تردید کی ہے اور روایات
کے ذریعہ ابن قیم کے بدعت کے قول کو باطل کیا ہے اور استحباب کو ثابت
کیا ہے ۔ فلیراجع

۴۲) حضرات احناف تو احناف کے بے مثال ترجمان علامہ شرنبلالی کا قول
بحوالہ نور الایضاح ماسبق میں بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ دعاء اجتماعی بعد المکتوبہ
کے استحباب کے قائل ہیں ۔ باقی رہے علامہ یوسف بنوری وغیرہ کہ ان

حضرات نے بدعت کہا ہے تو اس کے دو جواب ہیں (۱) علامہ یوسف بنوری نے بدعت نہیں قرار دیا ہے اگر بدعت کے قائل ہوتے تو اس کے بدعت ہونے پر دلائل فراہم کرتے برخلاف اس کے کہ انھوں نے مستحب ہونے پر دلائل قائم فرمائے ہیں۔ باقی رہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ تو اگر یہ بدعت کے قائل ہوتے تو ان کے اجل تلامذہ وخلیفہ حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مدظلہ، ہیں وہ ضرور کسی مقام پر نقل فرماتے مگر کسی جگہ بھی یہ ذکر نہیں کہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ اس کے بدعت ہونے کے قائل تھے۔ یہی حال علامہ انور شاہ کشمیری کا ہے کہ ان کے بھی اجل تلامذہ میں علاّمہ بنوری علیہ کا شمار ہوتا ہے مگر انھوں نے بھی کہیں یہ نہیں لکھا کہ علامہ کشمیری اس کے بدعت کے قائل تھے اور اس کو ترک فرمادیا تھا۔ فالی اللہ المشتکی دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر آپ ان تین حضرات کے قول کو احناف کے نزدیک اس کے بدعت کے ثبوت پر کافی سمجھتے ہیں اور بدعت کے استدلال پر پیش کرتے ہیں۔ تو ہم دسیوں کے قول وعمل کو اس کے بدعت نہ ہونے کے ثبوت پر پیش کرتے ہیں جو کہ حنفی ہی ہیں مثلاً حکیم الامت حضرت اقدس مولیٰنا اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ۔ رأس الفقہا خاتم المحدثین حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی حضرت اقدس مولانا یحییٰ صاحب کاندھلوی، مفتی کفایت اللہ صاحب

نوراللہ مراقدہم۔ برکتہ العصر بقیۃ السلف حضرت اقدس مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث ادام اللہ ظلالہ، حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب حضرت مولانا ابرار الحق صاحب۔ حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب۔ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب دامت فیوضہم وغیر ذالک من الاکابرین اب آپ موازنہ فرمائیں کہ کس کا پلہ بھاری ہے یاد رہے یہ سب حضرات حنفی المسلک ہیں اور دعا بعد الفرائض بہیئت اجتماعی میں شرکت کرتے تھے اور کرتے ہیں اگر ان حضرات کے نزدیک بدعت ہوتا تو یہ سب حضرات اپنی اپنی جگہ مصلح امت ہیں امت کی گمراہی کو برداشت نہ کرتے اور فوراً روکتے مگر انکار ونکیر کا نہ ہونا یہ دلیل ہے اسبات کی کہ یہ حضرات بھی بدعت کے قائل نہیں ہیں۔

نیز اگر حضرت تھانوی علیہ الرحمہ ومفتی کفایت اللہ کا فتوی باوجود ان حضرات کے متبحر ہونے کے قابل عمل نہیں ہے تو آپ کے فتوے میں کونسا سرخاب کا پر لگا ہوا ہے کہ ہم اس کو تسلیم کرلیں جبکہ روایات سے مسئلہ مبحوثہ عنہا کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ نیز جبکہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ ومفتی کفایت اللہ صاحب آپ سے ہزار درجہ علم وفضل تقوی وبزرگی روایت ودرایت تبحر وفن کاری میں فوقیت رکھتے تھے۔

باقی رہا یہ اشکال کہ رفع یدین للدعا بعد الفرائض آداب دعا میں شامل کرنے کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے لہذا بیت الخلاء کے اندر داخل

ہوتے وقت اور نکلتے وقت اور وضو سے قبل وبعد اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا چاہئے چونکہ آداب دعاء میں سے ہے رفع یدین، اور ان مقامات و اوقات میں دعائیں حدیث پاک سے ثابت ہیں پھر تخصیص کی کیا وجہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ رفع یدین للدعاء اس وقت ہے جبکہ الفاظ دعاء کو طلب حاجت کے ارادہ و نیت سے پڑھے لیکن اگر الفاظ دعاء کو طلب حاجت کے ارادہ و نیت سے نہ پڑھا جائے بلکہ ذکر مسنون کے ارادہ و نیت سے پڑھا جائے تو ان دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں جیسے صبح و شام، اور خواب و بیداری کی دعائیں اور بیت الخلاء میں جانے اور نکلنے کی دعائیں اور مسجد میں جانے اور نکلنے کی دعائیں وغیرہ جیسا کہ امام نووی نے "کتاب الاذکار" میں اور ابن السنی نے "عمل الیوم واللیلۃ" میں اور علامہ جزری نے حصن حصین میں ان دعاؤں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نیز سلف وخلف میں کسی فقیہ یا عالم کو نہیں سنا گیا کہ وہ ان دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے کے مستحب و مسنون ہونے کے قائل ہوں (بر خلاف نماز کے بعد دعاء میں ہاتھ اٹھانے کے بہت سے حضرات قائل ہیں جیسا کہ تفصیل گذر چکی ہے۔)

اور کیسے قائل ہو سکتے ہیں چونکہ اگر ایسا ہو جائے تو مسلمان کا کوئی بھی وقت ہاتھ اٹھانے سے خالی نہ رہے گا کیونکہ انسان کے ہر نقل و حرکت پر

دعاء کا ثبوت ہے اور ان کا پڑھنا مسنون ہے پس حرج فی الدین لازم آئے گا اور حرج فی الدین مرفوع ہے نیز جو فرق و نکتہ دعاؤں کے متعلق رفع یدین کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے اس کی تائید فقہاء کرام کے بیان کردہ اس جزئیہ سے بھی ہوتی ہے کہ جنبی و حائضہ و نفساء کیلئے تلاوت قرآن پاک بہ نیت تلاوت ناجائز ہے اور بنیت ذکر ماثور یا طلب حاجت جائز ہے جیسا کہ عام کتب فقہ میں مذکور ہے۔

غرضکہ دعاء بعد الصلوٰۃ پر عام دعاؤں کو قیاس کرنا درست نہیں ہے اور دعاء بعد الصلوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے ہر دعاء کیلئے رفع یدین کو ثابت کرنا عدم تبحر فی الفقہ کی دلیل ہے۔

بہرحال یہ بات اس تفصیل سے عیاں ہوگئی کہ فرائض کے بعد اجتماعی طور پر دعاء کرنا اور مقتدیوں کا اس پر آمین کہنا بدعت ہرگز نہیں ہے بلکہ روایات کے ذریعہ کم از کم اس کا استحباب ضرور ثابت ہوتا ہے جیسا کہ مفتی کفایت اللہ صاحب نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔

نیز ان روایات کو ضعیف کہنا بھی درست نہیں جن کے ذریعہ دعاء بعد الفرائض اجتماعاً کا ثبوت ہوتا ہے چونکہ ماسبق میں بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ مسئلہ جہاں اور روایات کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے وہاں حضرت ابو موسیٰ عامر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے

اور صراحتہً ثابت ہوتا ہے۔

مگر بعض حضرات نے اسود بن عامر کے روایت کی تضعیف کی ہے حالانکہ ائمہ ناقدین کے الفاظ تعدیل ان کے متعلق موجود ہیں۔

(۱) معارف السنن میں ہے اسود بن عامر یعنی اسود بن عبداللہ ابن حاجب ابن عامر من رجال ابی داؤد

(۲) ابن حبان نے ان کو ثقات میں سے شمار کیا ہے۔

(۳) امام ذہبی نے التہذیب میں لکھا ہے محلہ الصدق اس کے باوجود اس روایت کی تضعیف محتاج دلیل ہے،

باقی رہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت تو ان کے سند میں عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن ہیں جنکے سلسلہ میں ناقدین حدیث نے کلام کیا ہے جس کی وجہ سے بعض نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے مگر یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ محدثین کا ضابطہ ہے کہ ضعیف روایت بھی فضائل کے باب میں قابلِ قبول ہوتی ہے چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی کا ہے لہٰذا اس کے قبول میں بھی کوئی حرج نہیں ہونا چاہیئے چنانچہ علامہ بنوری نے بھی حضرت انس کی اس روایت کی تخریج کے بعد انہیں الفاظ سے اس کے قابل قبول وقابلِ عمل ہونے کی تائید کی ہے فرماتے ہیں۔ والضعیف یعمل بہ فی الفضائل فلاحرج اذن معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۳

نیز مسئلہ مبحوثہ عنہا پر حضرات علما، متقدمین و متأخرین دونوں کے رشحاتِ قلم پائے جاتے ہیں چنانچہ علما متقدمین میں سے منذری وغیرہ نے اس موضوع پر کلام کیا ہے اور علما متأخرین میں سے علامہ سیوطی وغیرہ نے اس پر خامہ فرسائی کی ہے۔ نیز حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کی النفائس المرغوبہ موضوع مذکور پر کافی ووافی ہے۔ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا رسالہ استحباب الدعوات بھی مسئلہ مبحوثہ عنہا کا اثباتی ترجمان ہے اس کے علاوہ اور بہت سی تصنیفات ہیں، مقالات ہیں، تحریرات ہیں ناکارہ کا مقصود صرف ان غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا تھا جو مفتی فیض اللہ صاحب کے رشحاتِ قلم سے پیدا ہوئے تھے، اور عوام کو اس کش مکش سے دور کرنا تھا، اور علماء کے ساتھ بدظنی قائم کرنے سے محفوظ رکھنا تھا۔ اور مفتی صاحب کے بدعت کے قول کی تردید مطمح نظر و مقصود بالذات تھی۔ اور اصل مسئلہ سے عوام کو روشناس کرانا اپنا فریضہ تھا سو بحمد اللہ باحسن وجوہ پورا ہوگیا۔ لہذا عوام اس کے بدعت ہونے کو ذہن سے نکالدیں اور ہر نماز کے بعد اجتماعی دعا میں شرکت کریں مستحب ہونے کی حیثیت سے فقط واللہ سبحانہ تعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی

خادم دار الافتاء جامعہ عربیہ ریاض العلوم گورینی چوکیہ جونپور

۱۰ / صفر ۱۴۰۱ھ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصدیق وتصویب

بقلم مولانا مفتی محمد حنیف صاحب مدظلہ صدر مدرس مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین اما بعد!

چند ہی دنوں کا واقعہ ہے کہ ہمارے مدرسہ ریاض العلوم واقع گورینی دارالافتاء میں ایک مطبوع اور طویل استفتاء دعاء بعد الفرائض بہیئت اجتماعیہ کے سلسلہ میں موصول ہوا کہ فلاں مفتی صاحب اس دعاء کو بدعت سیئہ فرماتے ہیں اور ان کے مستدلات یہ ہیں جن کا حاصل یہ تھا کہ صاحب الفتاوی الکبریٰ، وصاحب بذل، وصاحب معارف السنن یہ سب حضرات بیک زبان اس باب میں مفتی مذکور کے ہمنوا ہیں چنانچہ اثبات مدعیٰ کیلئے ان کتب کی عبارات سے استشہاد بھی فرمایا ہے اور اس باب کی جملہ ان احادیث کو جن میں دعاء بعد الفرائض اجتماعاً ذکر ہے ضعیف کہکر، اور فقہاء کے نصوص کو ان کی ذاتی رائے اور بے سند فرماکر نظرانداز کردیا ہے۔ حالانکہ یہ ساری ہی باتیں اور دعوے بالکل بے اصل ہیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا حبیب اللہ صاحب زادلطفہ کو کہ انھوں نے ان سارے گوشوں کا خوب خوب جائزہ لیا ہے اور بیان شافی وکافی سے مسئلہ کے تمام اطراف کا اثبات فرمایا ہے امید کہ یہ بیان غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے تریاق ثابت ہوگا۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ وانا عبدہ الضعیف محمد حنیف غفرلہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور ضلع جونپور

۱۹ صفر ۱۴۰۷ھ